42

شریعت کی بنیاد محض عقل پر نہیں بلکہ اس کی بنیاد اخلاق، قربانی اور محبت پر ہے

(فرمودہ 9 دسمبر 1949ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے گزشتہ ہفتہ یعنی پچھلے جمعہ کے خطبہ میں عورتوں کے نماز کے حصہ کے متعلق ناظر تعلیم کو توجہ دلائی تھی۔ سو شکر ہے کہ انہوں نے توجہ کر کے پہلے سے کچھ زیادہ انتظام کر دیا ہے۔ آج عورتوں کی پیٹھوں کی طرف قنات بھی لگی ہوئی ہے اور مسجد میں توسیع بھی کر دی گئی ہے تا زیادہ عورتیں نماز پڑھ سکیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی اور اس کا فضل شامل حال ہوا تو اِنْشَاءَ اللّٰہُ چھوٹی مسجد یعنی وہ مسجد جو مسجد مبارک کی قائمقام ہوگی جلد تیار ہو جائے گی اور پھر جمعہ کی نماز وہاں ہونے لگ جائے گی۔ اور خدا کے فضل اور اس کی امداد کے ساتھ کچھ بعید نہیں کہ اگلے سال جامع مسجد بھی تیار ہو جائے۔

میں نے پچھلے ہفتہ سے کچھ دن پہلے زمیندارہ جماعتوں کو ایک تحریک بھجوائی تھی کہ وہ اپنی گندم کی فصل کاشتہ پر ایک نہایت قلیل مقدار میں گندم جلسہ سالانہ کے اخراجات میں بطور امداد دیں۔ اس تحریک کو کیے ہوئے دس بارہ دن ہو گئے ہیں اور چونکہ یہ تحریک دفتر کی طرف سے بھجوائی گئی تھی اس لیے

ممکن ہے کہ بعض جماعتوں کی طرف سے جواب بھی آیا ہو لیکن مجھے ابھی تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ ہمارے ملک میں گندم کی پیداوار کی اوسط پندرہ مَن فی ایکڑ تک ہو جاتی ہے۔ بعض علاقوں میں کم بھی ہوتی ہے اور بعض علاقوں میں زیادہ۔ مشرقی پنجاب میں گندم کی پیداوار کی اوسط کم تھی۔ اس کے مقابلہ میں مغربی پنجاب میں گندم کی پیداوار کی اوسط زیادہ ہے۔ مشرقی پنجاب کے مغربی پنجاب سے الگ ہو جانے کی وجہ سے مغربی پنجاب کی گندم کی پیداوار کی اوسط بڑھ گئی ہے۔ اور چونکہ اس علاقہ میں نہریں کثرت سے ہیں اس لیے مشرقی پنجاب کی نسبت مغربی پنجاب میں گندم کی پیداوار زیادہ ہے۔ نہری علاقوں میں پچیس من فی ایکڑ تک اوسط نکل جاتی ہے اس لیے پندرہ مَن گندم فی ایکڑ کی اوسط لگانا کوئی بعید بات نہیں۔ اگر اس حساب سے گندم کی پیداوار ہو اور ایک ایکڑ کی پیداوار سے دوسیر گندم جلسہ سالانہ کے اخراجات میں بطور امداد دی جائے تو یہ گندم قریباً اٹھارہ سیر فی مربع بن جاتی ہے۔ اچھے مربع والوں کی گندم ڈیڑھ سَو سے اڑھائی سَو مَن فی مربع پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں سے اٹھارہ سیر گندم کا ادا کرنا کسی قسم کی قربانی نہیں کہلا سکتا۔ اگر ہماری جماعت کی مقبوضہ زمین مغربی پنجاب کی مثلاً دو ہزار مربع سمجھی جائے۔ اگرچہ وہ یقیناً اس سے زیادہ ہے تو یہ چھتیس ہزار سیر گندم ہو جاتی ہے یا ایک عام اندازہ کے مطابق کوئی نَو سَو مَن۔ ہمارے جلسہ سالانہ کا گندم کا خرچ قادیان میں دو ہزار مَن تک ہوا کرتا تھا۔ ابھی چونکہ اتنے آدمی آنے کی امید نہیں کی جاسکتی جتنے آدمی قادیان میں آخری جلسوں پر آ جایا کرتے تھے اس لیے اس سال کوئی پندرہ سو مَن گندم کا اندازہ ہے۔ اگر جماعتیں چندہ کے طور پر دوسیر فی ایکڑ کے حساب سے گندم بطور امداد جلسہ سالانہ کے اخراجات کے لیے دے دیں تو ہمارے پاس نو سَو مَن گندم جمع ہو جاتی ہے۔ اور اتنی مقدار میں گندم بطور چندہ دینا کوئی بوجھ نہیں کہلا سکتا اس سے زیادہ گندم تو فقیروں کو دے دی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ یا کسی رشتہ دار کو دینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ اس مقدار سے زیادہ گندم ایک شریف انسان فقیروں کو دے دیتا ہے اور ہر شریف انسان کو ایسا کرنا چاہیے۔ لیکن پہلے سال کے تجربہ کے لیے میں نے زمیندارہ جماعتوں میں چار پانچ سَو مَن گندم کے لیے تحریک کی ہے اور ساتھ ہی میں نے یہ بھی تحریک کی ہے کہ یہ گندم چندہ جلسہ سالانہ میں شامل نہیں ہوگی۔ موجودہ جنس سے کچھ حصہ بطور امداد دے دینا چندہ کا حصہ نہیں ہوسکتا۔

میں ربوہ کے ساکنوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ ہم لوگ میزبان ہیں اور باہر سے آنے والے

لوگ مہمان ہیں۔ ہمیں اپنی ذمہ داریاں اور فرائض دوسروں کی نسبت زیادہ اچھی طرح سمجھنے چاہییں۔ ہم میں اتنی توفیق تو نہیں کہ ہم آنے والوں کا سب بوجھ اُٹھا سکیں لیکن کم از کم ہمیں یہ تو کوشش کرنی چاہیے کہ ہم باہر سے آنے والوں کا بوجھ دوسروں سے زیادہ اُٹھائیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارا بوجھ دوسروں سے بہت کم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جلسہ سالانہ کے دنوں میں مقامی جماعت کا نوے فیصدی حصہ کھانا لنگر سے کھاتا ہے کیونکہ وہ سارا دن لنگر یا مہمان خانہ میں رہتا ہے اسے گھر جانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ گویا مرکزی لوگ اگر گندم کی کچھ مقدار بطور چندہ دے دیتے ہیں تو وہ اسے دوسری شکل میں یعنی کھانے کی صورت میں واپس لے لیتے ہیں۔ اس موقع پر شاید تم میں سے بعض لوگ یہ کہیں اور شاید زمینداروں میں سے بھی بعض کہیں کہ اَور لوگوں نے بھی چندہ دیا اور ہم نے بھی چندہ دیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم سے دوسروں سے زیادہ کسی قسم کا مطالبہ کیا جائے؟ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرکزی لوگ کہیں کہ اگر ہم جلسہ کے دنوں میں کھانا لنگر سے کھاتے ہیں تو ہم کام بھی کرتے ہیں۔ جہاں تک منطق کا سوال ہے میں ان کی دلیل تسلیم کرنے کو تیار ہوں مگر تم جانتے ہو کہ قانونِ شریعت اور قانونِ قدرت میں منطق کا کوئی دخل نہیں۔

ایک مُلّاں جو اِسی قسم کی منطق کا قائل تھا اپنے خاندان کو لے کر کسی رشتہ دار کو ملنے کے لیے جا رہا تھا۔ رستہ میں ایک دریا پڑتا تھا۔ وہ دریا چھوٹا سا تھا۔ اندازاً کوئی چالیس پچاس گز چوڑا ہوگا لیکن دریا دریا ہی ہوتے ہیں۔ نالوں کے پاس کسی وقت بالکل نیچے کو چلے جاتے ہیں اور کسی وقت اوپر کو آجاتے ہیں۔ کشمیر سے آتا ہوا ایک دفعہ میں خود ایک دریا میں سے گزرا ہوں جس کی چوڑائی کوئی چالیس پچاس گز ہوگی۔ ہمارے آنے سے کچھ دیر پہلے ایک انگریز اپنے بیوی بچوں سمیت جو گاڑی میں سوار تھے دریا میں گیا تھا۔ اُس دریا کو پار کرنے کے لیے ٹانگا کے ساتھ تین چار مقامی آدمی پیدل جاتے تھے۔ ان کے پاؤں گڑ جاتے تھے اور اس طرح وہ گاڑی یا ٹانگا کے ساتھ دوسرے کنارے پر لے جاتے تھے ورنہ ایسے دریاؤں کو پار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس نے یہ نہ دیکھا کہ قانونِ قدرت کیا ہے اُس نے دنیاوی حساب لگایا۔ اس نے سوٹی نکالی اور کنارے سے ایک گز آگے پانی میں رکھی۔ پھر اندازہ کیا کہ ایک گز کے بعد پانی مثلاً ایک انچ گہرا ہے تو چالیس گز کے بعد پانی کتنا گہرا ہوگا۔ اس نے مثلاً یہ اندازہ لگایا کہ اگر ایک گز پر پانی ایک انچ گہرا ہے تو چالیس گز پر چالیس انچ گہرا ہوگا۔

اس لیے دریا کو پار کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ حالانکہ دریا میں بعض دفعہ پاؤں یکدم پانی سے باہر نکل آتا ہے لیکن کچھ آگے جا کر انسان سر تک ڈوب جاتا ہے۔ بلکہ سَر تک ڈوبنا تو کیا بعض دفعہ پانی سَر سے بھی دو دو، تین تین فٹ اوپر نکل جاتا ہے۔ اُس مُلّاں نے اربع 1 لگایا اور مع کنبہ دریا میں داخل ہو گیا۔ ابھی تھوڑا ہی فاصلہ اس نے طے کیا تھا کہ اُس کے کنبہ کے سب افراد ڈوب گئے۔ وہ خود بوجہ تیرنا جاننے کے بچ گیا۔ پانی سے باہر نکل کر وہ پھر اربع لگانے بیٹھ گیا اور جب نتیجہ اربع کا وہی پہلا سا نکلا تو بولا کہ ''اربع لگّا جُوں کا تُوں کنبہ ڈُبّا سارا کیوں''؟

غرض قانونِ قدرت کی بنیاد اربع پر نہیں یہ حساب وغیرہ تو قانونِ قدرت کے نتیجہ میں ہوتے ہیں۔ جہاں قانونِ قدرت نے انہیں چلایا ہے وہ چلیں گے اور جہاں قانونِ قدرت نے انہیں نہیں چلایا وہ نہیں چلیں گے۔ اسی طرح شریعت میں بھی یہ چیز نہیں۔ شریعت کی بنیاد بھی منطق پر نہیں۔ شریعت کی بنیاد اخلاقی قوانین پر ہے۔ شریعت کی بنیاد محبت پر ہے، شریعت کی بنیاد قربانی پر ہے، شریعت کی بنیاد محض عقل پر نہیں، شریعت کی بنیاد قوانینِ قدرت کے عام اصولوں پر بھی نہیں بلکہ اس کی بنیاد اخلاق، قربانی اور محبت پر ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں جن کو شریعت دوسری چیزوں پر مقدم رکھتی ہے۔ شریعت بیشک عقل کی بھی مدد لیتی ہے لیکن وہ صرف اُتنی ہی مدد لیتی ہے جتنی شریعت کے تابع ہو کر چلے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ 2 مومن کی یہ علامت ہوتی ہے کہ جو چیز اس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے پائی ہے اس میں سے کچھ حصہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اس میں سے کچھ حصہ وہ دین کے لیے خرچ کرتا ہے۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں صرف روپیہ ہی شامل نہیں کہ انسان کچھ روپے بطور چندہ دے کر اپنے فرض کو ادا کر دے۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں آنکھیں بھی شامل ہیں، دماغ بھی شامل ہے، کان بھی شامل ہیں، ناک بھی شامل ہے، ہاتھ اور پاؤں بھی شامل ہیں، دھڑ بھی شامل ہے، مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں مکان بھی شامل ہے، وہ گندم بھی شامل ہے جو تم نے پیدا کی ہے اور وہ روپیہ بھی شامل ہے جو تم کماتے ہو، وہ گاجریں اور مولیاں بھی شامل ہیں جو تم پیدا کرتے ہو اور وہ گڑ بھی شامل ہے جو تم پیدا کرتے ہو۔ روپیہ دے کر تم مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے حکم کو پورا نہیں کر سکتے۔ ہاں! روپیہ خرچ کر کے تم قربانی

کر سکتے ہو لیکن شریعت میں صرف قربانی کا حکم نہیں۔ قرآن کریم کی آیت مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ بھی ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اپنی ساری جائداد بھی بطور چندہ دے دیتا ہے لیکن اس کی آنکھیں خدا تعالیٰ کے بندوں کی خدمت میں حصہ نہیں لیتیں، اُس کے ہاتھ خدا تعالیٰ کے بندوں کی خدمت میں حصہ نہیں لیتے تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں شخص نے ایک روپیہ بطور چندہ دیا ہے اور میں نے اپنی آمد کا سَو فیصدی چندہ دے دیا ہے اس لیے میں نے اپنے فرض کو پورا کر دیا۔ یہ چیز منطق تو کہلائے گی لیکن دین نہیں کہلائے گی۔ دین کا تقاضا پورا کرنا تو یہ ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کے بندوں کی خدمت میں اپنی آنکھوں کو بھی استعمال کرے، اپنے کانوں کو بھی استعمال کرے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ بعض سے کہے گا کہ اے میرے بندو! میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھِلایا، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا، میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑے پہنائے، میں بیمار ہوا تم نے میری تیمارداری کی اس لیے جاؤ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ بندے کہیں گے توبہ توبہ ہماری کیا طاقت تھی کہ ہم اپنے خدا کو کھانا کھِلاتے، ہماری کیا طاقت تھی کہ ہم خدا کو پانی پلاتے، ہماری کیا طاقت تھی کہ ہم خدا کو کپڑے پہناتے، ہماری کیا طاقت تھی کہ ہمارا خدا بیمار ہوتا تو ہم اس کی تیمارداری کرتے۔ وہ فرمائے گا میرا ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ بھوکا تھا تم نے اسے کھانا کھِلایا تو گویا مجھے ہی کھانا کھِلایا۔ میرا ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ پیاسا تھا تم نے اسے پانی پلایا تو گویا مجھے ہی پانی پلایا، میرا ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ ننگا تھا تم نے اسے کپڑا پہنایا تو گویا مجھے ہی کپڑا پہنایا، میرا ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ بیمار تھا تم نے اس کی تیمارداری کی تو گویا میری ہی تیمارداری کی۔ اس لیے جو کچھ میں نے کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔ جاؤ تم میری جنت کے مستحق ہو اس میں داخل ہو جاؤ۔3

پس ایک طرف تم اس حدیث کو دیکھو اور دوسری طرف اس امر کو مدنظر رکھو کہ تم اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا کچھ خرچ نہیں کرتے۔ اس جگہ مثال تو میں نے ماں باپ کی دینی تھی لیکن بدقسمتی سے اس زمانہ میں والدین کی محبت بہت کم ہوگئی ہے۔ بدقسمتی سے لوگ اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں انتہائی سُستی سے کام لیتے ہیں جو ماں باپ کی خدمت کی ان پر عائد کی گئی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ والدین ہمارے خادم ہیں ان کا فرض تھا کہ ہمیں کھِلائیں پلائیں ہمارا فرض نہیں کہ ان کی خدمت کریں۔

ہمارے ذمہ صرف اپنے بیوی بچوں کی پرورش ہے۔ یہ حالت بڑی ہی بدقسمتی اور بداخلاقی کی علامت ہے۔لیکن اس منطقی زمانہ میں یہی صورت قائم ہوچکی ہے اس لیے میں اصل مثال نہیں دے سکتا۔لیکن میں کہتا ہوں تم اپنے بچہ کو ہی لے لوتم اپنے بچہ کے لیے خرچ مقرر کرتے ہواور اپنی بیوی کو دیتے ہولیکن کیاتم یہ کہتے ہو کہ میں نے اَور کیا دینا ہے سارے مہینہ کا خرچ ایک ہی دفعہ جو بیوی کو دے دیا۔کیا ایسا نہیں ہوتا کہ تم بازار میں جاتے ہواور کھانے کے لیے کچھ مٹھائی خرید لیتے ہوتو تم وہ مٹھائی زیادہ مقدار میں خرید لیتے ہو،تا اپنے بیوی بچوں کے لیے بھی لے جاؤ،تم یہ تونہیں کہتے کہ میں نے روپے دے دیئے ہیں اب مٹھائی لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔یا مثلاً تم کوئی کپڑا خریدتے ہوتو وہ کچھ زیادہ خرید لیتے ہو،تا بیوی بچوں کے لباس کا کچھ حصہ بنالیا جائے۔تم کبھی بھی یہ منطقی نتیجہ نہیں نکالتے کہ میں نے ایک دفعہ روپیہ دے دیا ہے اب میں نے اَور خرچ نہیں کرنا۔حقیقت یہ ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے انسان ایسے اخراجات برداشت کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ ہم جب باہر جاتے ہیں تو کئی لوگ اپنی محبت کی وجہ سے بعض اخراجات ہم پر کرتے ہیں ۔مثلاً میں دوسال سے کوئٹہ جاتا رہا ہوں۔ وہاں ہمارے ہی ضلع کے ایک دوست ڈاکٹر غفورالحق خان صاحب ہیں۔ میں نے دونوں سال تجربہ کیا ہے کہ وہ جب کوئی چیز گھر لے جاتے تھے تو اس کی ایک ٹوکری ہمیں بھی بھیج دیتے تھے۔مثلاً انگور نکلنے شروع ہوئے اورانہوں نے بازار سے گھر کے لیے کچھ انگور خریدے تو ایک ٹوکری زائد خرید کر وہ ہمارے لیے بھی بھیج دیں گے۔یا خربوزے نکلے اورانہوں نے اپنے استعمال کے لیے کچھ خربوزے خریدے ہیں تو کچھ خربوزے وہ ہمیں بھی بھیج دیں گے۔ وہ چیزیں اس طرح متواتر آتی تھیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ وہ اپنے گھر لے جارہے تھے کہ ہماری محبت کی وجہ سے انہوں نے ہمیں بھی اس میں سے ایک حصہ بھیج دیا۔☆

☆اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے۔ یہ خطبہ میں نے دسمبر کے شروع میں دیا لیکن چھپنے سے رہ گیا۔آج ہی اس پر نظر ثانی کرنے لگا ہوں جبکہ ابھی ابھی ہی عزیزم ڈاکٹر غفورالحق خاں کو دفنا کر لوٹا ہوں۔ میں اسے اتفاق نہیں کہہ سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے جس نے آج مجھے اسی خطبہ پر نظر ثانی کا موقع دیا۔ عزیز زندہ ہوتا تو اسے پڑھ کر کتنا خوش ہوتا مگر اب اس کے عزیز اسے پڑھ کر خوش ہوں گے کہ ان کے عزیز کو خدا تعالیٰ نے جو رُتبہ بخشا کہ اس کا ذکر اس محبت کے ساتھ ایک قائم رہنے والے نشان میں شامل

غرض عاشق مومن یہ خیال نہیں کرتے کہ انہوں نے چندہ ادا کر دیا ہے اور سلسلہ کی خدمت سے آزاد ہو گئے ہیں یا کچھ رقم بطور نذرانہ خلیفۂ وقت کو دے دی ہے اور انہوں نے اپنے تعلق کا اظہار کر دیا ہے بلکہ وہ تو ان کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں اور اپنی ہر خوشی میں ان کو شریک کرتے ہیں۔ غرض جہاں محبت ہوتی ہے وہاں منطقی نظریہ کام نہیں دیتا۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں خدا تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم کسی کو کتنی بھی چیز دے دو وہ محبت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمہیں اس کی اہمیت معلوم ہے اور اہمیت اور محبت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً ایک افسر کی اہمیت تمہیں معلوم ہے۔ بسا اوقات تم اپنے بیوی بچے سے بھی زیادہ اُس کی خدمت کرتے ہو لیکن اُس کی خدمت اہمیت والی ہوگی محبت والی نہیں ہوگی۔ مثلاً اس کی آمد پر تم سَو روپیہ خرچ کر دیتے ہو لیکن تم غریب ہو اس لیے اپنے بچے پر تم مثلاً صرف پانچ روپے ماہوار خرچ کرتے ہو مگر جب چنے نکلیں گے اور خول میں دانہ پڑے گا تو تم کبھی بھی یہ خیال نہیں کرو گے کہ یہ دانہ افسر کو بھی کِھلاؤ۔ ہاں! تمہاری یہ خواہش ضرور ہوگی کہ یہ دانہ تم اپنے بچوں کو کھلاؤ حالانکہ تم نے افسر کی آمد پر اس کی خدمت کے لیے سَو روپیہ خرچ کر دیا تھا اور بچے پر تم صرف پانچ روپیہ خرچ کرتے ہو۔ یا نرم نرم مولیاں نکلتی ہیں تو تم چند مولیاں لے لیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ مُنّے کے لیے ہیں اور یہ مُنّے کی اماں کے لیے ہیں۔ تم یہ کبھی بھی خیال نہیں کرتے کہ میں انہیں روپیہ دے چکا ہوں اب اَور چیزیں لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ محبت کا یہ اصول ہے کہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ تمہیں جو چیز بھی ملتی ہے تم کہتے ہو میں اپنے بیوی بچوں کے لیے بھی لے جاؤں۔

حضرت عائشہؓ کے متعلق آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب ہوائی چکیاں درآمد کی گئیں

بقیہ حاشیہ: کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز پر اپنے بہت فضل نازل فرمائے۔ میں جب عزیز کا جنازہ پڑھنے لگا تو اس میں بھی میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! یہ کوئی اچھی چیز خود نہ کھاتا تھا جب تک کہ ہمیں نہ کِھلا لیتا تھا۔ اب تُو بھی اپنی جنت کی اچھی اچھی چیزیں ہماری طرف سے اسے کِھلا تاکہ ہماری خدمت کا بدلہ اسے ملے۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ عزیز کوئٹہ سے آتے ہوئے دو بکس پھلوں کے میرے لیے اب بھی لایا تھا۔ وہ اس کی لاش کے ساتھ لاہور سے لائے گئے اور آج صبح اس کے بھائی نے اندر بھجوائے۔ رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحِبَّ الْمُخْلِصَ وَجَعَلَ مَثْوَاهُ فِي الْمُخْلَصِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ۔

تو کچھ چکیاں مدینہ میں بھی لگائی گئیں۔ جب آٹا پیسا گیا تو وہ بہت نرم تھا۔ اس قسم کے آٹے کا مدینہ میں رواج نہ تھا۔ ان کے ہاں چھوٹی چھوٹی چکیاں ہوتی تھیں جن کے ذریعہ وہ آٹا بناتے تھے۔ ان کے لیے ہوائی چکیاں ایسی ہی تھیں جیسے آجکل کے لوگوں کے لیے ہوائی جہاز ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جو آٹا پہلے تیار ہو وہ حضرت عائشہؓ کے گھر بھجوایا جائے۔ دیکھو! یہ بھی محبت کی علامت تھی۔ اس آٹے کا حضرت عائشہؓ کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ منطق یہ کہتی ہے کہ ہوائی چکیاں حکومت نے لگوائی تھیں اور آٹے کا تعلق حکومت سے تھا اس لیے آٹا پہلے حکومت کو ملنا چاہیے۔ مگر محبت یہ نہیں کہتی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو چکی لایا ہے یا جو اس کا نگران ہے یا جو وقت کا حاکم ہے اس کے گھر پہلے آٹا نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ آٹا حضرت عائشہؓ کے گھر بھیجا جائے گا کیونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں۔ کوئی منطق اس حکم کی تائید نہیں کرتی۔ صرف محبت کا قانون اس کی تائید کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں جب آٹا پہنچا تو محلّہ کی سب عورتیں آٹا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئیں۔ کیونکہ ان کے لیے وہ عجیب چیز تھا۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی چکیوں میں غلّہ پیس کر آٹا بناتی تھیں۔ اس نرم اور ملائم آٹے کا ان میں رواج نہیں تھا اس لیے اردگرد کی مستورات آٹا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئیں۔ روٹی پکنی شروع ہوئی اور ایک پتلا سا پُھلکا تیار کر کے حضرت عائشہؓ کے آگے رکھا گیا۔ حضرت عائشہؓ نے اس میں سے ایک لقمہ بنایا اور منہ میں ڈالا لیکن منہ میں ڈال کر تھوڑی دیر چبانے کے بعد آپ رُک گئیں اور آپ کی آنکھوں میں سے آنسو بہنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ نے وہ لقمہ باہر پھینک دیا۔ عورتیں جو آٹا دیکھنے کے لیے وہاں جمع ہو گئی تھیں انہوں نے آٹے پر ہاتھ مارنا شروع کیا اور وہ حیران ہوئیں کہ وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے لقمہ پھینک دیا۔ انہوں نے کہا اے ہماری سردار! یہ تو نہایت نرم اور ملائم آٹا ہے۔ آپ کو اس نے کیوں تکلیف دی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس آٹے نے مجھے اس لیے تکلیف نہیں دی کہ یہ نرم اور ملائم نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے تکلیف دی ہے کہ یہ نرم اور ملائم ہے۔ پھر فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اتنی اچھی چکیاں بھی نہیں تھیں جتنی اب ہیں۔ ہم پتھروں سے کُچل کر آٹا بناتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بڑی عمر کو پہنچے اور آپ کے دانت کمزور ہو گئے تو بعض دفعہ لقمہ چبانے میں آپؐ دِقّت محسوس کیا کرتے تھے۔ اب جو لقمہ منہ میں گیا تو یکدم مجھے یہ خیال آیا کہ اگر یہ آٹا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تو میں اس کی روٹی بنا کر آپؐ کو

کھلاتی۔ اس خیال کے آنے پر مجھ پر ایسی حالت طاری ہوگئی کہ مجھ سے یہ لقمہ نگلا نہیں گیا۔ اس لیے کہ یہ نرم اور ملائم آٹا سے بنی ہوئی چپاتی میں اکیلی ہی کھا رہی ہوں۔

منطق کے لحاظ سے یہ فضول بات تھی کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے پاس تھے اور آپؐ وہ کچھ کھا رہے تھے جو دنیا کا امیر سے امیر آدمی بھی نہیں کھا سکتا۔ یہ بالکل غیر عقلی اور غیر شرعی بات بھی تھی کیونکہ خدا تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ جنت میں مومنوں کو وہ کچھ ملے گا جس کا دنیا کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن قانونِ محبت کے لحاظ سے وہ ایک ہی درست بات تھی جو حضرت عائشہؓ نے کی۔ منطق کے لحاظ سے وہ فضول بات تھی، عقل کے لحاظ سے وہ لغو بات تھی اور شریعت کے لحاظ سے قابلِ حیرت۔ مگر محبت کے لحاظ سے یہی اور یہی ایک صحیح اور سچا فیصلہ تھا جس کے مقابلہ میں کوئی اَور فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

پس میں آپ لوگوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں وہ روٹی بھی شامل ہے جو ہم کھاتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ جلسہ کے دنوں میں اپنے لیے جو چیزیں ضروری ہوں ان میں سے کچھ جلسہ کی امداد کے لیے دیں۔ ربوہ کی آبادی اور کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے میری تجویز ہے کہ یہاں کے رہنے والے پچھتّر مَن گندم بطور چندہ کے دیں۔ پچھتّر مَن کے معنے ہیں تین ہزار سیر۔ اور ربوہ کی ایک ہزار سے زیادہ کی آبادی ہے۔ گویا تین سیر فی کس بن جاتے ہیں۔ یہ قریباً اتنی ہی گندم ہے جتنی لنگر میں کام کر کے کھانے والے خود استعمال کر لیتے ہیں۔ پس ایک لحاظ سے تو یہ وہی گندم ہے جو جلسہ کے دنوں میں کام کرنے والوں میں سے اکثر کھائیں گے (میں نے اکثر کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ بعض لوگ باوجود جلسہ کے دنوں میں کام کرنے کے کھانا گھر میں تیار کرتے ہیں) لیکن دوسری طرف یہ محبت کی علامت اور ثبوت ہوگا کہ جلسہ پر آنے والے مہمان جب اس آٹے میں سے جو ہم خود استعمال کرتے ہیں کچھ پہلے نہ کھالیں ہمیں تسلی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ تو کیا خواہ تم ایک دمڑی کی قیمت کے برابر ہی کوئی چیز دو لیکن محبت کہتی ہے کہ ان سب چیزوں سے حصہ دو جو تم گھر میں استعمال کرتے ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ چندہ کی تحریک کی۔ ایک صحابی جَو کی دو مٹھیاں لائے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ منافق ہنسے اور کہا دنیا جَو کی

ان دو مٹھیوں سے فتح ہو رہی ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے گھر کا سارا سامان ہی باہر لا کر رکھ دیا۔ اس پر منافق لوگوں نے کہا یہ سب دکھاوا ہے۔4 گویا کسی کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ بھلا اس سے دنیا فتح ہوسکتی ہے اور کسی پر انہوں نے کہا کہ یہ سب کچھ دکھاوے کے لیے ہے۔ منافقین کا تو قاعدہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ مومنوں کی ہر حرکت پر اعتراض کرتے ہیں اور یہی منافق کی سب سے بڑی علامت ہے۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہے کہ دنیا جَو کی انہی مٹھیوں سے فتح ہوئی جو اُس وقت چندہ میں دی گئیں۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو دنیا یقیناً فتح نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو یقیناً اسلام نہ پھیلتا۔ وہ جَو کی دو مُٹھیاں نہیں تھیں وہ اسلام کی محبت میں گرنے والے دل کے خون کے قطرے تھے اور دل کے خون کے قطروں سے ہی دنیا فتح ہوا کرتی ہے دنیاوی سامانوں سے نہیں۔

پس محبت کی علامت تو یہ ہے کہ تم جو کچھ گھروں میں کھاتے ہو اُس میں سے کچھ حصہ بطور چندہ دو خواہ وہ کتنا ہی قلیل ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے اوپر بوجھ ڈال لو بلکہ میں کہتا ہوں تم مٹی کے تیل کا جو تم گھر میں جلاتے ہو ایک تولہ دے آؤ اور کہو یہ تیل ہم گھر میں جلاتے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ اس میں سے بھی ہم ایک حصہ بطور چندہ نہ دیں۔ تم ایک تولہ کا نصف حصہ گھی دے آؤ اور کہو کہ ہم گھر میں گھی سے روٹی کھاتے ہیں اس لیے اس سے بھی کچھ حصہ بطور چندہ لے لیا جائے۔ تم گوبھی کا ایک ڈنٹھل ہی کاٹ کر لے آؤ اور کہو یہ گوبھی ہم نے پکانی تھی اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ جب تک اس میں سے مہمانوں کے لیے حصہ نہ نکال لیا جائے اسے کھائیں۔ کیونکہ محبت کی یہ علامت ہے کہ جب تک محبوب کوئی چیز استعمال نہ کر لے چین نہیں آیا کرتا۔ خدا تعالیٰ جس سے زیادہ سچا اَور کوئی نہیں اپنے رسولؐ کی زبانی کہتا ہے کہ جس نے میرے ادنیٰ سے ادنیٰ بندے کو جو بھوکا تھا کھانا کھلایا اس نے مجھے ہی کھلایا۔ پس تم خواہ مٹی کے تیل کا ایک چمچہ ہی دو، تم خواہ گھی کی ایک رَتی ہی دو تم وہ تیل خدا تعالیٰ کو دیتے ہو، تم وہ گھی خدا تعالیٰ کو کھلاتے ہو۔ کیونکہ اُس نے خود فیصلہ کیا ہے کہ گو میں محتاج نہیں ہوں لیکن جب تم میرے محتاج بندے کو کھلاتے ہو تو تم مجھے ہی کھلاتے ہو"۔ (الفضل 26 فروری 1950ء)

1: اربع: (حساب) تین عددوں یا رقموں کی مدد سے چوتھا غیر معلوم عدد یا رقم دریافت کرنے کا قاعدہ (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 1 صفحہ 394۔ کراچی 2006ء)

2: البقرۃ:4

3 :مسلم کتاب البر والصلة باب فضل عيادة المريض

4 :بخاری کتاب التفسير تفسير سورة براءة باب قوله الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ (الخ)